پروین شاکر کی شاعری میں سائنسی شعور

ڈاکٹر انوار احمد*، خالد جاوید**

Abstract:

In the annals of literary history of Pakistan, Perveen Shakir shines like a radiant star. Her poetry is mostly the expression of felt emotions and personal experiences. Sensuality is the characteristic quality of her poetry. Her romantic poems and ghazals stirred the sentiments of the readers, yet many scientific phenomena can be traced out from her poetry. Although procedures of measuring and evaluating the scientific data and a piece of poetry are widely different yet thoughts, imaginations, observations experimentations and conclusions are common in both science and poetry.Her poetry not only bears the traces of her personality, subtle emotions and feelings but different scientific phenomena such as Dispersion of Light, Spectrum, Mirror, Image, Reflection and Refraction of Light, Echo, Mirage, Planets, Stars, Galaxy, Blood Circulatory System, Pollination, Antidots, Moisture, Transportation System of Plants, Isotopes, Neutrons, Radioactive Elements, Chain Reactions, Atmospheric Pressure, Decomposition & Diffusion etc have also been touched upon in a poetic version. The paper argues with different examples of scientific approach in her poetry.

شاعری کی تخلیق انسانی محسوسات اور تفکرات کے امتزاج سے ہوتی ہے شاعری کا موضوع زندگی ہے ادب خصوصاً شاعری کے حوالے سے قاری کو تسکین اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔شاعری معاشرے سے متاثر ہو کر تخلیق کی جاتی ہے اور اِس کے معاشرے پر دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔شاعری تہذیب و تمدن اور اقدار و روایات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔شاعری جہاں پڑھنے اور سننے والے کے احساس جمال کو تسکین بخشتی ہے وہاں ذہنی رویوں کا رُخ بھی تبدیل کرتی ہے۔شاعری انسانی تخیل و جذبات کو متاثر کرتی ہے اور سیاسی و سماجی معاشی، اخلاقی، مذہبی، تعلیمی الغرض تمام شعبہ ہائے زندگی میں تغیر و انقلاب کا باعث بنتی ہے۔

ادب کا آغاز انسان کے احساسِ ذات اور اظہارِ جذبات کی ضرورت کے تحت ہوا۔دورِ جدید میں دیگر سائنسی اور سماجی علوم کی طرح ادب بھی ایک شعبہ علم ہے اور شاعری ادب کی ایک بڑی صنف ہے۔شاعر یا سائنس دان بنیادی طور پر تخیل، تفکر، مشاہدہ اور تجربہ پر اپنی تخلیق کی بنیاد رکھتے ہیں۔فطرت کا مطالعہ دونوں کے ہاں مشترک

* ڈین فیکلٹی آف آرٹس، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

** پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ہے مگر شاعر اپنے مشاہدے میں عام لوگوں کو بھی شامل کرتا ہے۔ سائنس دراصل ایسا علم ہے جو تجربے اور مشاہدے کا متقاضی ہے۔ سائنس انسانی رویے، سوچ وفکر اور جذبۂ عمل کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ انکشافات وایجادات کی بدولت انسانی عقل وشعور کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ انسانی فطرت اس سے اثر قبول کر کے قوت متخیلہ کو نئی راہوں سے روشناس پاتی ہے جس کی بدولت انسان میں مزید جاننے کی جستجو اور آگے بڑھنے کا جذبہ موجزن رہتا ہے اور انسان ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔

> ''سائنس وہ علم ہے جو حقائق کے مشاہدے اور تجربے کے بعد باضابطہ اور منظّم انداز میں پیش کیا گیا ہو''۔[۱]

نیچرل سائنسز، سوشل سائنسز، ٹیکنیکل سائنسز انسانی شعور، لاشعور یا تحت شعور کسی نہ کسی سائنس کے زیرِ اثر ضرور ہے۔ تخیل کو کسی بھی تخلیق ومشاہدے اور پرکھ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بنیادی فکر اور ادراک وفہم اس قوتِ متخیلہ میں جان ڈالتے ہیں اور کسی سائنس دان اور شاعر کو تجربے اور مشاہدے سے گزر کر اصول وقوانین اور ادب میں نئی تخلیقات کے فکری اور سائنسی انداز سے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں۔ البتہ شاعر یا ادیب نہ صرف خارجی بلکہ باطنی عوامل کا اظہار جمالیاتی حس کے زیرِ اثر کرتے ہیں بلکہ شاعری میں جذبہ کی بدولت حسن وکمال اور نکھار آجاتا ہے۔

> ''قوت متخیلہ کی ترقی صرف شعروشاعری کیلئے ضروری نہیں ہے۔ تمام ایجادات واختراعات اسی قوت کے کرشمے ہیں ہر علم وفن کی ترقی بہت کچھ اسی قوت کی ترقی پر منحصر ہے ہر تصنیف وتالیف اس قوت کی رہینِ منت ہے۔''[۲]

شاعر اور سائنسدان کسی معاشرے کا وہ حساس طبقہ ہوتے ہیں جو اپنی باریک بین نظروں اور تیز قوت مشاہدہ سے ایسے حقائق کو سامنے لاتے ہیں جن تک افرادِ معاشرہ کی رسائی نہیں ہوتی۔ مگر شاعری انسانی زندگی کو جادوئی اثر کی طرح نہ صرف جھنجھوڑتی ہے بلکہ عمل کیلئے مستعد وکمر بستہ کرنے میں انسانی قویٰ کو تیز کر دیتی ہے۔ اس طرح قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے انسان شاعری سے نہ صرف حظ اٹھاتا ہے بلکہ عام قاری اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ یہی شاعری کی فنکارانہ خوبی ہے جس کے پس منظر میں کئی ایک عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

> ''فن کاری میں خارجی اور داخلی، نظری اور عملی، مادی اور تصوری، افادی اور ذوقی، روائتی اور انقلابی عناصر باہم شیر وشکر ہوتے ہیں۔ یہ تہ در تہ ثنویت فن

کاری کا اصلی مزاج ہے۔ اس لیے کہ سارے نظامِ ہستی کا مزاج یہی
ہے۔'' [۳]

سائنس دان اور شاعر تخیل، بصیرت، فہم وادراک، آگہی اور شعور کی بدولت جانچ اور حقائق کا مطالعہ، مشاہدہ اور پرکھ ایک ہی کسوٹی پر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاعری میں انسانی جذبہ کو دخل ہے۔ اس طرح شاعری انسان کو انسان کے قریب لاتی ہے جبکہ سائنس میں کلی طور پر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ باوجود اس کے کہ دونوں میں طریق کار اور رویہ مشترک ہے جسے ہم سائنسی شعور کا نام دیتے ہیں۔ جس طرح ایک سائنس دان مشاہدے کی بنا پر اپنے تجربات کو مختلف انداز سے کئی بار دہراتا ہے پھر کہیں جا کر وہ اصول یا قانون وضع کرنے کے مقام پر پہنچتا ہے بالکل اسی طرح شاعر کی تخلیقات بھی اس کے مختلف تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔

''ادب میں تجربے کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اور اس کی اساس مشاہدہ پر ہے۔ ادبی
تخلیق ادیب کی شخصیت کا عکس ہوتی ہے اور شخصیت کی تعمیر وتشکیل مشاہدہ سے
ہوتی ہے۔'' [۴]

شاعری اور موسیقی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ مختلف آوازوں میں توازن اور باہم ربط موسیقیت کو جنم دیتا ہے۔ جس سے ''لَے''، ''سُر''، ''دُھن'' اور ''ترنم'' وجود میں آتے ہیں۔ اور موسیقی روح کی غذا قرار پاتی ہے یہ سارا عمل آوازوں میں منظّم اتار چڑھاؤ اور سائنسی اصولوں کی دین ہے اور سائنسی فکر اس سارے عمل کے پیچھے کارگر رہتی ہے۔ یہی سائنسی عمل فنون، ثقافت اور تہذیب کے کردار اور صورت گری کو متاثر کرتا ہے۔ اس میں ممکن حد تک، معروضیت، غیر جانبداری اور کشادہ ذہنی کو بڑا دخل ہے بقول پول والرے:(Paul Valery)

''جس طرح ایک ماہرِ علمِ کیمیا کسی پھول کی خوشبو بالکل مصنوعی اجزاء سے تیار کر
سکتا ہے۔ اسی طرح شاعر خارجی و باطنی فطرت کے پیدا کیے ہوئے جذبہ
شعریت کو فطری عوامل کی مدد لیے بغیر دوبارہ پیدا کرتا ہے۔'' [۵]

سائنسی شعور میں جس طرح حقائق کو تجربے کے بغیر تسلیم نہیں کیا جاتا اور دلیل وثبوت لازم سمجھے جاتے ہیں بالکل اسی طرح شاعری میں بھی منطق کو تجربے سے ہم آہنگ کر کے تصور کو تقویت دی جاتی ہے اور مشاہدہ وتجربہ کی بدولت اعلیٰ پائے کی شاعری کیلئے تخلیقی بنیادیں فراہم ہوتی ہیں گویا سائنس اور شاعری ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں جو کہ وقت کے ساتھ ثابت بھی ہوتا ہے بقول ڈگلس بش:(Douglas Bush)

''جدید سائنس انیسویں صدی کے من مانے اعتقادات سے تجاوز کر کے جن کی تشریح ممکن نہیں شاعری کے قریب آ گئی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاعری اور سائنس بہنیں ہیں کیونکہ دونوں خصوصی امور کے ذریعے عمومی کلیوں کی تلاش کرتی ہیں۔لیکن ان میں بصیرت کا اختلاف ہے۔''[٦]

ادب کی ابتداء شاعری سے ہوئی اور نثر بعد میں وجود میں آئی،شاعری ارتقاء کے مراحل طے کرتی ہوئی ترقی یافتہ شکل اختیار کر گئی۔شاعری کو الہام تصور کیا جاتا تھا کیونکہ قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ یہ فن اکتسابی نہیں اگرچہ ماضی میں شعراء کی رسمی تعلیم زیادہ نہیں تھی مگر مروجہ علوم سے واقفیت اور جدید علوم سے شناسائی شاعری میں کمال اور حسن وخوبی کے لیے معاون تھی۔درد،سودا،میر،اثر ذوق،غالب،مومن،انشاء،جرات،مصحفی،نظیر،میر انیس،اور دبیر وغیرہ کے مروجہ علوم سے واقفیت کا عکس شاعری میں نکتہ آفرینی کی بدولت دکھائی دیتا ہے۔

اُنیسویں صدی میں برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے نئے علوم بھی آئے سیاسی ومعاشرتی حالات کے پیش نظر سرسید اوران کے رفقاء نے ادب کو معاشرتی اصلاح کے لیے استعمال کیا اور شاعری کا رشتہ معاشرتی زندگی سے جوڑ دیا۔ یونانی ومغربی ادب کے نظریات کی بدولت شعراء اور ادباء کے ہاں ہیئت اور موضوعات کے تجربے افلاطون، ارسطو، ہوریس، کوئین ٹیلین ، لان جائینس، دانتے، بن جانسن ، ڈرائیڈن ، ورڈزورتھ، کولرج، میتھیو آرنلڈ اور کروشے وغیرہ کے فکروفن کے مطالعے کا نتیجہ ہیں۔

بیسویں صدی کے صنعتی اور مادی دور میں اقبال کا شعر ونظریہ فن اور فلسفہ حیات اُردو شاعری کی ترقی یافتہ صورت میں جلوہ گر ہے۔جس میں ندرت خیال بھی اور عملی زندگی سے اِس کا تعلق بھی واضح دکھائی دیتا ہے۔بقول اقبال:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں ‎ ‎ ‎ محو حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو ‎ ‎ ‎ لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی وجہ سے شعراء نے شاعری کا رشتہ عملی زندگی سے جوڑنے کی شعوری کوششیں کیں جس سے شاعری میں مبالغہ آمیزی کے رجحان میں کمی واقع ہوئی اور جدید شاعری کے زیر اثر روایتی مضامین سے انحراف کرتے ہوئے انسانی قدروں،اخلاق وسیرت،حب الوطنی،سیاسی،سماجی اخلاقی ومذہبی اور تعلیمی الغرض تمام شعبہ ہائے زندگی کے موضوعات شاعری میں دکھائی دیتے ہیں۔اس طرح ''ادب برائے زندگی'' کے

نظریے کو براہِ راست فروغ ملا۔ جسے بلاشبہ ترقی پسند تحریک کا ایک وصف قرار دیا جاتا ہے۔

''ترقی پسند تحریک نے عقلیت پسندی اور سائنسی شعور کو منظّم طور پر بیدار کیا انفعالی رومانویت پر غالب آنے کی کوشش کی اور ادب کو گرد وپیش کی باس اور زمین کی خوشبو سونگھنے کی طرف متوجہ کرایا''۔[۷]

بیسویں صدی میں شاعری کی اصناف، ہیئت اور زبان کے نئے نئے تجربے کیے گئے۔ ہیئت کے اعتبار سے آزاد نظم اور نظمِ معریٰ رائج ہوئیں۔ شاعری کو ترقی پسند تحریک کی وجہ سے نیا ذہن اور جذبہ ملا جس سے زبان، بیان، لہجہ، موضوع، اندازِ فکر، طرزِ احساس اور زندگی کے روایتی رویے میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اور الفاظ کی سادگی، زبان کی صفائی، خیالات کی بلندی، تشبیہات کی دل نشینی نے نیا آہنگ پیدا کیا۔ اس طرح شعروادب کی دنیا میں ایک انقلاب بپا ہوا۔ اور یہ انقلابی تبدیلی ترقی پسند تحریک کی وجہ سے ہے۔

''ترقی پسند تحریک نے پہلی بار صاف لفظوں میں ادب کو آسمانی صحیفہ قرار دینے کی بجائے اسے سماجی مسائل کے ادراک اور ان کو حل کرنے کا ذریعہ بنایا''۔[۸]

پروین شاکر (پیدائش ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء۔ وفات ۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء) کا شمار بیسویں صدی کے شعراء کے اُس طبقے میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی ادب کا مطالعہ کیا۔ انگریزی ادب اور انگریزی لسانیات میں ایم۔اے پروین شاکر کی انگریزی زبان میں دلچسپی کا بین ثبوت ہے۔ مشرق ومغرب کے ادبی علوم کے امتزاج سے وجود میں آنے والی شاعری ان کے مخصوص حسن وکمال کی بدولت منظر عام پر آئی۔ انگریزی ادب کے حوالے سے پروین شاکر کہتی ہیں

''انگریزی ادب سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ انگریزی ادب نے مجھے نئے موضوعات دیے۔ شاعری کے بارے میں نظریہ بخشا۔ ادب کی تاریخ کا شعور دیا اگر میں انگریزی ادب نہ پڑھتی تو شائد مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ لفظ کا صوتی اثر کیا ہوتا ہے''۔[۹]

پروین شاکر نے شاعری میں اظہار کی پاکیزگی، خلوص، روح میں اتر جانے والی اثر آفرینی کے ساتھ ساتھ زندگی کے بنیادی مسائل اور عوامل کو اس انداز سے شامل کیا کہ جذبات واحساسات کی ترجمانی عملی زندگی کی صورت میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں جدید دور کے تقاضوں کا برملا اظہار سائنسی انداز میں ملتا ہے۔ مختلف

کیفیات میں ڈوبی ہوئی شاعری نے تخیل اور شعور کے امتزاج سے ایسا پیرایہ اختیار کیا جسے پڑھ کر عقل و فہم کے نئے باب کھلتے ہیں۔شدتِ احساس سے لبریز شاعری داخلی مشاہدات اور خارجی حقائق کا منفرد نمونہ ہے۔ پروین شاکر نے تخیل کی مدد سے ایسی تراکیب اور تلمیحات استعمال کی ہیں جن میں الفاظ کا دروبست، جذباتی فضا، ائتلافِ افکار، رمز و کنایہ اور تمثیل و تمثال اچھوتے انداز سے جلوہ گر ہیں۔ڈاکٹر سعادت سعید کے مطابق:

> ''پروین شاکر نے اپنے جذبات، محسوسات، افکار اور تجربات کو شاعری میں یوں منتقل کیا ہے کہ ہمارے عصر کے اندر پرورش پاتی صداقتیں کھل کر سامنے آئی ہیں انہوں نے شعری احساسات کو چن چن کر شعری تشکیلات میں ڈھالا ہے۔عمدہ شاعر اپنے گہرے تجربات کو استعاروں اور علامتوں کے پیرائے میں بیان کرنے کے ہنر سے پورے طور پر واقف ہوتے ہیں اور پروین شاکر اس میدان میں بہت آگے نکل گئی ہے۔[۱۰]

پروین شاکر کی شاعری میں انسان خاص طور پر صنفِ نازک کے جذبات، احساسات، دکھوں اور خوشیوں کا اظہار علامات کی صورت میں ملتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سائنسی حقائق کا مشاہدہ اور ان کا شاعری میں استعمال ان کے سائنسی شعور کی ایک نئی جہت محسوس ہوتی ہے اور یہ محض اتفاقی نہیں بلکہ اس کے پیچھے گہرا مطالعہ اور مشاہدے کی باریک بینی کارفرما ہے۔نظم ''پرزم''(Prism) ان کا نادر نمونہ قرار دی جاسکتی ہے۔

پرزم

پانی کے اک قطرے میں
جب سورج اترے
رنگوں کی تصویر بنے
دھنک کی ساتوں قوسیں
اپنی بانہیں یوں پھیلائیں
قطرے کے ننھے سے بدن میں
رنگوں کی دنیا کھنچ آئے!

میرا بھی اک سورج ہے
جو میرا تن چھو کر مجھ میں
قوس قزح کے پھول اُگائے
ذرا بھی اس نے زاویہ بدلا
اور میں ہوگئی
پانی کا اک سادہ قطرہ
بے منظر، بے رنگ! [۱۱]

اس نظم میں پروین شاکر نے صبح یا شام کے وقت بارش کے بعد سورج کی مخالف سمت میں کچھ دیر کے لیے بننے والی قوسِ قزح یا دھنک (Rainbow) کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ روشنی کے انعکاس (Reflection of Light) کی بدولت منشور (Prism) کی مدد سے انتشارِ نور (Dispersion of Light) کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح سات رنگوں کی پٹی بنتی ہے اسے طیف (Spectrum) کہتے ہیں اور یہ آسمان پر رنگین قوس کی صورت میں خوبصورت نظارہ پیش کرتی ہے۔ نظم کا عنوان 'پرزم' پروین شاکر کی عمیق نظری، بلند خیالی اور سائنسی طرزِ فکر کا غماز ہے اور اسے منفرد علامت اور استعارے کے انداز میں پیش کیا ہے۔ دھنک کا مشاہدہ ہر فرد بآسانی کر سکتا ہے۔ نظم کے پہلے حصہ میں سائنسی اندازِ فکر اور دوسرے حصہ میں انسانی جذبے کا تعلق سائنسی فکر اور شاعری کا مرقع بن کر ابھرتا ہے اور ان کی شاعری واقعی مختلف رنگوں کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ علیم صبا نویدی کے بقول:

> ''پروین شاکر برصغیر ہندو پاک میں اتنا عظیم اور معتبر نام ہے ــــــ ان کی زبان میں پروئے ہوئے لفظوں کا انتشار منشوری انعطاف کے زیرِ اثر ست رنگی ہو جاتا ہے اور ان لفظوں سے معنی کا ادراک قاری کو نہ صرف محظوظ کرتا ہے بلکہ اعلیٰ ہنرمندیوں کی داد بھی طلب کر لیتا ہے''۔ [۱۲]

خوشبو بکھیرتی اس شاعرہ کے ہاں جو علامات ملتی ہیں وہ شعور و لاشعور اور اجتماعی شعور کے سہ جہاتی عمل سے نمو پاتی ہیں۔ خوبصورت تراکیب، الفاظ کی صوتی کیفیات، صوتی زیروبم کا تواتر، بحر کی سبکی، تشبیہہ و استعارہ اور علامات کو ایسے نفسیاتی کل کی صورت میں پیش کرتی ہیں جس سے شعور اور لاشعور کی صلاحیتوں کو متشکل کرنے میں مدد ملتی ہے جس سے عام آدمی متاثر ہوتا ہے اور ورڈز ورتھ کے مطابق شاعر کا احساس، فلسفی اور سائنسدان سے بہتر دکھائی دیتا ہے۔

''شاعر، فلسفی اور سائنس دان سے اس لیے بہتر ہے کہ وہ لوگ صداقت کی تلاش میں تنہا ہوتے ہیں اور عام انسانوں کو اپنے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ جبکہ شاعر اپنے صداقت کے تجربے اور علم میں عام انسانوں سے وابستہ رہتا ہے''۔[۱۳]

پروین شاکر کے ہاں ابلاغ کی خوبی براہِ راست موجود ہے۔ جذباتی اور محسوساتی کیفیات ہر جگہ نئے تناظر میں معنی آفرینی کی خوبی سے مزین محسوس ہوتی ہیں۔ زندگی کے سیاسی و سماجی پہلوؤں کے علاوہ انفرادی مشاہدات اور حقائق کی پرکھ سائنسی انداز میں رونما ہوتی ہے۔ ''خون'' اور ''لہو'' کا لفظ مختلف مقامات پر الگ الگ انداز میں با معنی صورت اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے۔

وہ میرا نام لیے جائے اور میں اس کا نام
لہو میں گونج رہا ہے پکار کا موسم {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۱۶}

ہے رواں آگ کا دریا مری شریانوں میں
موت کے بعد بھی ہو پائے گا پایاب کہاں {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۴۷}

حل ہو گیا خون میں کچھ ایسے
رگ رگ میں وہ نام بہہ رہا ہے {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۲۶۳}

دشمن ہے اور ساتھ رہے جان کی طرح
مجھ میں اتر گیا ہے وہ سرطان کی طرح
جکڑے ہوئے ہے تن کو مرے اس کی آرزو
پھیلا ہوا ہے جال سا شریان کی طرح {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۲۶۲}

نظامِ دورانِ خون (Circulatory System) میں شریانیں (Artries) اور وریدیں (Veins) پورے جسم میں پہنچ کر مزید انتہائی باریک نالیوں عروقِ شعریہ (Capillaeries) میں تقسیم ہو کر ایک جال سا بنا دیتی ہیں۔ جن کی بدولت خون جسم کے ہر خلیے میں پہنچ کر اُسے توانائی اور حرارت بہم پہنچاتا ہے جس کو شاعرہ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

بیسویں صدی میں تغیر و تبدل سے جہاں معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں شاعر بھی اس سے متاثر ہوا پروین شاکر کی شاعری میں انہیں تبدیلیوں کے زیر اثر سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی شعور کے مسائل سے متعلق

نئے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔

چاند اتر آیا ہے گہرے پانی میں
ذہن کے آئینے میں جیسے عکس ترا {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۷۴ }

دن میں کیسی لگتی ہوگی ، سوچتی ہوں
ندی کا سارا حسن تو چاند کے عکس میں ہے {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۲۸۱ }

اپنے آپ سے آنکھیں چرائے پھرتی ہوں میں
آئینے میں کس کا چہرہ دیکھ لیا ہے {''ماہِ تمام''(خود کلامی)ص۵۴ }

ہزار ٹکڑوں میں بٹ کر بھی اُس کا عکس رہی
میں آئینہ تھی ، بکھرنے پہ اعتماد بھی تھا {''ماہِ تمام''(صد برگ)ص۲۲۸}

شاعری میں عکس (Image)، عدسہ (Lens)، آئینہ (Mirror) اور شیشہ (Glass) کا تصور نئی معنویت کی دنیا میں اچھوتے انداز سے آباد ہوا۔ آئینے میں عکس کا بننا روشنی کے انعکاس (Reflection of Light) کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور یہی شبیہہ یا عکس شاعرہ کو مختلف نقطۂ ہائے نظر کے حوالے سے عملی زندگی میں نئی سوچوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ منفرد تراکیب نیا اندازِ فکر لیے ہوئے ہیں۔

پروین شاکر کی شاعری ماحول کی ترجمانی، کیفیاتِ قلبیہ کا اظہار، الفاظ کی سلاست اور بیان میں در در روزمرہ زندگی کی مثالوں سے مزین ہے، ''بیل'' سے تشبیہہ کی صورت میں تراکیب اور بندش غیر مانوس محسوس نہیں ہوتیں۔

موسمی بیل تھی میں ، سوکھ گئی
وہ تناور درخت ، پھلتا رہا {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۳۰۷}

دیوار سے بیل بڑھ گئی ہے
پھر کیوں نہ ہوا میں پھیل جاؤں {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۳۲۴}

کچھ پیڑ زمین چاہتے ہیں
بیلیں تو نہیں اُگیں ، ہوا پر {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۳۴۳}

پت جھڑ کی گھڑی تھی اور شجر سے
اِک بیل عجب لپٹ گئی تھی {''ماہِ تمام''(انکار)ص۱۷}

سوکھ گیا خود اپنے دل کی نرمی سے
پیڑ کو کیا معلوم تھا ، بیل امر بھی ہے {''ماہِ تمام''(صد برگ)ص۱۵۳}

''بیل''پودوں کی تنے کی ساخت کے لحاظ سے وہ قسم ہے جو اپنے جسم کو خود سہارا نہیں دے سکتی کیونکہ اس کا تنا اِس قابل نہیں ہوتا اور اسے زمین سے اوپر جانے کیلیئے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسان زندگی میں ایک دوسرے پر انحصار کرتا ہے اور''بیل''علامت کے طور پرنئی معنویت کے ساتھ پروین شاکر کے ہاں جا گزیں ہے۔

حیاتیاتی عناصر کا عمیق مشاہدہ پروین شاکر کی شاعری کا خاصہ ہے اپنے باریک بیں مشاہدے کی بدولت شاعرہ نے کرۂ ارض پر ہونے والی دیگر نباتات کو شاعری میں منفرد انداز سے سمویا ہے کہ وہ زندگی کا پیغام بن کر قاری کے ذہن کو تادیر سوچوں میں گم کیے دیتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ماحول کے مشاہدے میں حواسِ خمسہ کا بھرپور استعمال کیا ہے بقول نظیر صدیقی:

> ''پروین شاکر کی شاعری کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری سے اپنے دیس کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ان کی شاعری میں اس ملک کے پھولوں کی بوباس ملتی ہے۔ان کی شاعری بڑیsensuous واقع ہوئی ہے اور ان کے حواسِ خمسہ میں ان کی قوتِ شامہ وقوتِ باصرہ اور قوتِ سامعہ نسبتاً زیادہ تیز ہیں۔[۱۴]

درخت کا استعارہ پروین شاکر کی شاعری میں زندگی کی علامت کے طور پر ابھرتا ہے۔درخت کی افادیت کی عمدہ مثالیں''بنفشے کا پھول''،''فلاورشو''اور''چھتنار''نظمیں ہیں۔جن میں درخت کے روزمرہ زندگی میں کردار کو شاعرہ نے سائنسی انداز میں بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ غزل میں اسی موضوع پر جداگانہ انداز میں شاعری میں برتا گیا ہے۔

پانی دیکھا ، نہ زمیں دیکھی ، نہ موسم دیکھا
بے ثمر ہونے کا الزام شجر پر رکھا {''ماہِ تمام''(خود کلامی)ص۱۱۵}
زرد ہوتا جا رہا ہے صحنِ دل کا ہر شجر
جس طرح اندر ہی اندر دکھ کوئی کھانے لگے {''ماہِ تمام''(انکار)ص۹۲}
باغ کا حصہ تو میں بھی ہوں مگر میرا وجود
سبز بھی اتنا نہیں ہے اور کچھ خود رو بھی ہے {''ماہِ تمام''(انکار)ص۱۴}

وقت کے ساتھ عناصر بھی رہے سازش میں
جل گئے پیڑ کبھی دھوپ ، کبھی بارش میں {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۳۸}

ٹوٹنا یوں تو مقدر ہے ، مگر کچھ لمحے
پھول کی طرح میسر ہو شجر میں رہنا
گھاس کی طرح جہاں بھوک اُگا کرتی ہو
اتنا آسان نہیں شاخِ ثمر میں رہنا {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۴۳،۴۷}

سوچ کے پرندوں کو اک پناہ دینا ہے
دھوپ کی حکومت میں ذہن کا شجر ہونا {''ماہِ تمام''(انکار)ص۶۷}

درج بالا اشعار میں پروین شاکر نے درخت اور پودوں کے لوازماتِ زندگی کو موضوعِ سخن بنایا ہے مثلاً پانی، مٹی، موسم، دھوپ، بارش، ہوا وغیرہ اور یہ مختلف تراکیب اور رموز و علائم کمال فن کے ساتھ عملی زندگی میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے شاعری کے اندر منفرد انداز میں جلوہ گر ہیں اور زندگی کے نشیب و فراز کے آئینہ دار ہیں۔

اس بار جو ایندھن کیلئے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بڑا پیار تھا اس بوڑھے شجر سے {''ماہِ تمام''(صد برگ)ص۱۰۸}

چکر لگا رہے تھے پرندے شجر کے گرد
بچے تھے آشیانوں میں ، طوفان سر پہ تھا {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۹۶}

جنگلات کے کٹاؤ (Deforestation) کی بدولت نہ صرف ماحولیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور فضا میں گیسوں کا توازن بگڑتا ہے۔ بلکہ ایک درخت کا ماحول (Ecosystem) بھی تباہ ہو جاتا ہے جو کہ کئی ایک جانوروں کا مسکن ہوتا ہے اس طرح چڑیا کا دیگر جانوروں کی طرح اپنی پناہ گاہ کے اجڑنے پر آہ و بکاہ کرنا ایک فطری عمل ہے جس کا اظہار شاعرہ نے بڑی خوبصورت رمزکی صورت میں کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ درختوں کے کٹاؤ سے ذرائع ایندھن کے تیزی سے کم ہونے کا خدشہ اور متوازن ماحول کے بگاڑ کا مشاہدہ شاعرہ کے 'ندرتِ خیال کا غماز دکھائی دیتا ہے۔

فلکیات (Astronomy) کے حوالے سے پروین شاکر کے ہاں ندرتِ خیال، اندازِ فکر کی گہرائی، اور شاعرانہ جذبہ، خارجی واقفیت اور داخلیت باہم شیر و شکر ہو کر امتزاجی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور رموز و علائم زندگی کی حقیقتیں محسوس ہوتی ہیں۔ نظمیں ''ایک تنہا سیارہ'' اور ''چاند'' عمدہ مثالیں ہیں۔

چاند

ایک سے مسافر ہیں
ایک سا مقدر ہے
میں زمین پر تنہا!
اور وہ آسمانوں میں! {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۲۲}

زمین سے رہ گیا دور آسماں کتنا
ستارہ اپنے سفر میں ہے خوش گماں کتنا {''ماہِ تمام''(صد برگ)ص۲۰۸}
ثنائے انجم و تسبیح کہکشاں کیلئے
یہ وہ زمیں ہے بنی تھی جو آسماں کیلئے {''ماہِ تمام''(انکار)ص۷۰}
آسمان سبزگوں پر ایک تارہ ایک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو یہ خوشنما منظر تو ہے {''ماہِ تمام''(انکار)ص۸۵}
زمیں کے حلقے سے نکلا تو چاند پچھتایا
کشش بچھانے لگا ہے ہر اگلا سیارہ {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۲۸۸}

سورج ، چاند، ستارے، سیارے، کششِ ثقل، زمین اور کہکشاں ندرتِ کمال کے ساتھ پروین شاکر کی شاعری میں نئی معنوی دنیا لیے ہوئے ہیں۔ نظام شمسی کے تمام سیارے اپنے اپنے مقررہ مداروں میں سورج کے گرد گھومتے ہیں اور ہر سیارے کے چاند اپنے مخصوص راستے پر چلتے ہوئے متعلقہ سیارے کے گرد رواں دواں ہیں۔ چاند ستارے اور کہکشاں خوبصورت ستارے کے طور پر موضوعِ سخن ہے۔ اس کے علاوہ نظامِ شمسی کے مختلف اجزاء کے حوالے بھی ایسے بھرپور عکاسی ملتی ہے جو کہ ہر شعر میں اپنی مخصوص دنیا آباد کیے ہوئے ہے۔

شاخِ بدن کو تازہ پھول نشانی دے
کوئی تو ہو جو مری جڑوں کو پانی دے {''ماہِ تمام''(صد برگ)۲۷۴}
رس پھر سے جڑوں میں جا رہا ہے
میں شاخ پہ کب سے پک رہی ہوں {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۳۲۱}

پودوں میں نظامِ ترسیل (Transportation System) جو کہ زائیلم (Xylem) اور فلوئم (Phelom) پر مشتمل ہوتا ہے کی بدولت پتوں میں پیدا ہونے والی خوراک جڑوں تک پہنچتی ہے اور جڑوں میں جذب ہونے والا پانی پتوں تک منتقل ہوتا ہے۔اس نظام کی بھرپور عکاسی درج بالا اشعار میں کی گئی ہے:

زیرگی کا عذاب سہنا ہے
خوف سے سارے پیڑ پیلے ہیں {''ماہِ تمام''(خوشبو)۲۸۷}

زیرگی (Pollination) پودوں میں جنسی طریقہ تولید کا ایسا عمل ہے جو کہ پھول کے بالغ ہونے پر وقوع پزیر ہوتا ہے اور نئی نسل پیدا ہونے کا ابتدائی مرحلہ بیج بننے سے شروع ہوتا ہے مگر ساتھ ہی موجودہ نسل کے پھول کی موت کا پیغام لاتا ہے اس طرح زندگی کے خاتمے کا خوف شاندار استعارے کی صورت میں جلوہ گر ہے۔

زمینِ دل یونہی شاداب تو نہیں اے دوست
قریب ہی کوئی دریا ضرور بہتا ہے {''ماہِ تمام''(انکار)۶۹}

عمرانیات (Sociology) کے حوالے سے بھی پروین شاکر کے ہاں انسانی آبادی اور معاشرے کے وجود میں آنے کے بنیادی لوازمات جیسے دریا کے گردونواح میں تصورِ آبادی نئی رمز کے ساتھ موجود ہے۔

بس تریاق نہ کھوج کے بیٹھ
سانپ نگل بھی جاتے ہیں {''ماہِ تمام''(صد برگ)۱۴۹}

تریاق (Antidots) طب کی دنیا میں ایسے کیمیائی مرکبات ہوتے ہیں جو سانپ یا کسی دوسرے موذی جانور کے زہریلے اثرات کا توڑ ہوتے ہیں اور انسانی جان کو بچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مگر اژدھا نما سانپ ڈسنے کی بجائے انسان کو سالم نگل جاتے ہیں اور اس صورتِ حال میں تریاق کچھ کام نہیں آتے۔تریاق اور سانپ کا استعارہ پروین شاکر کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔

اہرام ہے یا کہ شہر میرا
انسان ہیں یا حنوط لاشیں {''ماہِ تمام''(خوشبو)۳۰۵}

حنوط (Presevation) ایسا عمل ہے جس میں جانور یا پودے کے مردہ جسم کو کیمیائی مرکبات کے استعمال سے کچھ عرصہ کے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے اور عجائبات میں اسے اختیار کیا جاتا ہے جس سے حنوط شدہ مردہ جسم زندہ محسوس ہوتا ہے۔بے حس انسانوں کے حوالے سے پروین شاکر نے عمدہ تشبیہ اچھوتے انداز میں نبھائی ہے۔

برسا بھی تو کسی دشت کے بے فیض بدن پر
اک عمر میرے کھیت تھے جس ابر کو ترسے {''ماہِ تمام''(صد برگ)ص۱۰۸}

اک ایسی بارش ہو میرے شہر پہ جو
سارے دل اور سارے دریچے دھو جائے {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۴۱}

کھڑکی دریا کے رخ پہ جب سے کھلی
فرش کمروں کے سیلے سیلے ہیں {'ماہ تمام'(خوشبو)ص۲۸۷}

برس سکے تو برس جائے اس گھڑی ورنہ
بکھیر ڈالے گی بادل کے سارے خواب ، ہوا {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۲۸۸}

پھولوں کا بکھرنا تو مقدر ہی تھا لیکن
کچھ اس میں ہواؤں کی سیاست بھی بہت تھی {''ماہ، تمام''(صد برگ)ص۱۲۸}

گھنے درختوں کے گرنے پہ ماسوائے ہوا
عذاب در بدری اور کون سہتا ہے {''ماہِ تمام''(انکار)ص۶۹}

ہوا سے سرکشی میں پھول کا اپنا زیاں دیکھا
سو جھکتا جا رہا ہے اب یہ سر آہستہ آہستہ {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۱۷}

نظامِ کائنات میں مظاہرِ فطرت ہوا، بارش، آندھی، ابر، دھوپ، پانی اور پھول جیسے الفاظ اپنی بھرپور معنویت کے ساتھ آئے ہیں اور ہر جگہ نئی کیفیت اور صورتحال کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے عمدہ تخلیقات پیش کر کے خواب آفریں اسلوب کا جادو جگایا ہے اور عین فطرت کی عکاسی محسوس ہوتی ہے۔ بارش سے جہاں پودوں کی زندگی پھر سے رنگین ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ ماحول کی دیگر کثافتیں بھی بارش کے پانی میں حل ہو کر زمین پر پہنچ جاتی ہیں اور فضا آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے اسی طرح ہوا، اپنے دباؤ اور اس میں نمی کی بدولت مخصوص کردار ادا کرتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں سائنسی حقائق کا عمل دخل عام سی بات محسوس ہوتی ہے مگر شاعرہ کا فہم و ادراک منفرد جذباتی انداز میں ان حقائق کو پیش کرتا ہے۔

ملے گی آنسوؤں سے تن کو ٹھنڈک
بڑی لُو ہے ، ذرا آنچل بھگو لوں {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۳۱۲}

میں تو شبنم تھی ہتھیلی پہ تیری گم ہوگئی
وہ ستارہ تھی سو تیرے پیرہن پر سج گئی {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۲۱}

عملِ تبخیر (Evaporation) ایسا عمل ہے جس میں مائعات بخارات میں تبدیل ہو کر فضا میں بکھر جاتے ہیں اور درجۂ حرارت گر جاتا ہے اور درجہ حرارت میں کمی کی وجہ سے ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے اس طرح یہ عمل عملی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پروین شاکر نے اس سائنسی مظہر کو اچھوتے انداز میں اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے جس کا مشاہدہ ہر عام آدمی کر سکتا ہے۔

دسترس میں ہیں عناصر کے ادارے کس کے
سو بکھر کے ہی رہا کوئی بکھرنے والا {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۵۷}
آندھی کی زد میں آئے ہوئے پھول کی طرح
میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کے فضا میں بکھر گئی {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۹۴}

عملِ تحلیل (Decomposition) کسی بھی ماحول کے قدرتی بے جان عوامل میں سے ہے۔ جس سے ماحول میں توازن برقرار رہتا ہے اور بے جان کی توڑ پھوڑ کا عمل مادی اشیاء کو بنیادی اجزاء میں تبدیل کر دیتا ہے بلکہ جاندار اشیاء بھی موت کے بعد بنیادی نامیاتی مرکبات میں تبدیل ہو کر اپنے وجود کو کھو دیتی ہیں اور یہی نامیاتی مرکبات کچھ تو فضاء میں منتشر ہو جاتے ہیں اور باقی زمین کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس بات کا مشاہدہ پروین شاکر کے ہاں نظر آتا ہے۔

تری طرح مری آنکھیں بھی معتبر نہ رہیں
سفر سے پہلے ہی رستوں میں وہ سراب اترے {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۲۰۲}
اچانک ریت سونا بن گئی ہے
کہیں آگے سراب آنے کو ہے پھر {''ماہِ تمام''(صد برگ)ص۱۴۲}
ہمیں تو چشمۂ حیواں بھی کوئی دکھلائے
تو تجربہ یہ کہے گا، کہیں سراب نہ ہو {''ماہِ تمام''(خودکلامی)ص۱۰۰}

''سراب'' (Mirage) روشنی کے کلی داخلی انعطاف (Total Refraction of Light) کی بدولت وقوع پذیر ہوتا ہے اور عام طور پر صحرا میں دوپہر کے وقت گرمیوں کے موسم میں دور سے دیکھنے سے پانی کا سمندر محسوس ہوتا ہے مگر قریب جانے پر حقیقت حال کھلتی ہے تو وہاں سوائے ریت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس مظہرِ قدرت میں

ایک فریبِ بصارت ہے جس سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے۔مگر اصل حقیقت کھلنے پر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ پروین شاکر کے ہاں انسانی رویے اور جذبات دوسروں کیلئے کبھی کبھی سراب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جس کو پروین شاکر نے منفرد علامت کی حیثیت میں جزوِشاعری بنایا ہے۔

بلڈ گروپس کو انتہائی خوبصورت استعارے کے طور پر پروین شاکر نے اپنی نظم ''مجبوری کی ایک بات'' کے آخری بند میں کچھ اس انداز سے نبھایا ہے۔

''میں نادم ہوں
یہ کیفیت
تمہیں مرے لہجے اور میرے چہرے میں
کبھی نظر نہیں آئی

جان!
تمہیں شاید نہ خبر ہو
بعض محبتیں
اپنے بلڈ گروپ میں
''او منفی'' ہوتی ہیں!'' {''ماہِ تمام'' (خود کلامی) ص۔۷۰}

بلڈ گروپس (Blood Groups) کی انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔''مثبت'' اور ''منفی'' گروپس آپس میں کبھی نہیں ملتے۔مختلف بلڈ گروپس کی بدولت انسانی جذبات و احساسات کی دنیا ایک دوسرے سے مختلف و ممیّز ہوتی ہے اور عملی زندگی میں ان کو بڑا دخل ہے۔ روزمرہ زندگی میں انسانی تعلقات کے حوالے سے نہایت خوبصورت استعارہ درج بالا نظم میں موجود ہے۔

پروین شاکر کے ہاں نظم ''چین ری ایکشن'' کا آخری بند کیمیائی تعاملات (Chemical Reactions) کا غماز ہے۔

''سو عافیت اسی میں ہے
کہ ہم اندھیرے میں رہیں
اور اپنے اپنے نیوٹرونز سے

تعلقات ٹھیک رکھیں
تمہارے اور میرے آئسوٹوپس
تابکار نفرتوں کی زد میں ایک بار آگئے
تو پھر محبتوں کا اختیار ختم سمجھو!" {"ماہِ تمام" (خود کلامی) ص۔۶۷}

کیمیائی تعاملات (Chemical Reactions) کو عملی زندگی میں جانداروں کے ہاں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی کیمیائی تعاملات زندگی کو جاری وساری رکھے ہوئے ہیں اور زندگی رواں دواں رہتی ہے ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا تغیر کسی بڑے حادثے کا سبب بنتا ہے پروین شاکر کا مشاہدہ سرعت اور جزئیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کیمیائی تعاملات کے حوالے سے نیوٹرونز آئسوٹوپس اور تابکار عناصر کی تراکیب اچھوتے انداز سے جلوہ فگن ہیں۔

"خوشبو"، مہک نہ صرف پروین شاکر کی شاعری کا ایک بڑا استون ہے بلکہ یہ جذبہ اور احساس اس کی پوری شاعری کو اپنی منفرد آب وتاب سے معطر کیے ہوئے ہے۔ پروین شاکر نے "خوشبو" کو ایک مجرد تصور سے نکال کر جیتی جاگتی علامت بنا دیا ہے۔ "خوشبو" کے سفر میں حل پذیری (Solubility) اور نفوذیت (Diffusion) جیسے سائنسی عوامل کارفرما ہوتے ہیں جن کی بدولت خوشبو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہوا کے دوش پر منتقل ہونے کا سبب بنتی ہے۔

> "پروین شاکر کی شاعری میں خوشبو کا استعارہ بہت نمایاں ہے۔ اس کے اولین مجموعے کا نام ہی "خوشبو" ہے اس کے علاوہ تقریباً ہر غزل میں ہم کو "خوشبو" کا ذکر ملتا ہے اور ہر بار اس "خوشبو" کی نوعیت یا تجسیم مختلف ہے" [۱۵]

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہے
موجِ ہوا کے ہاتھ میں اس کا سراغ ہے {"ماہِ تمام" (خوشبو) ص۳۹}
عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی {"ماہِ تمام" (خوشبو) ص۴۷}
خود کو خوشبو کے حوالے کردیں
پھول کی طرزِ پذیرائی پر {"ماہِ تمام" (خوشبو) ص۲۶۵}

تری خوشبو بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمو لوں {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۳۱۲}
تری خوشبو کا پتہ کرتی ہے
مجھ پہ احسان ہوا کرتی ہے {''ماہِ تمام''(انکار)ص۲۵}
وہ تو خوشبو ہے ، ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے ، پھول کدھر جائے گا {''ماہِ تمام''(خوشبو)ص۱۸۸}

''خوشبو'' کا تصور پروین شاکر کی شاعری میں مخصوص انداز سے رچا بسا ہے۔جس کی بدولت ہر شعر میں خوشبو کا تصور نئی معنویت اور اعلیٰ تفکر کا غماز محسوس ہوتا ہے۔سونگھنے کی حس کی مدد سے انسان کو بُو کا احساس ہوتا ہے اور ''خوشبو'' یا ''مہک'' کیمیائی مادوں کے ایسے کیمیائی مالیکیولز(Molecules) ہوتے ہیں جو ہوا کے مالیکیولز میں شامل ہو کر نفوذیت کے عمل کی بدولت دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں اور ''خوشبو'' کے بکھرنے کا سبب بنتے ہیں۔نظم ''ڈیپارٹمنٹل سٹور'' اور ''اوتھلیو'' اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔اور غزل کے درج بالا اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

پروین شاکر کی شاعری کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگرچہ شاعری میں سائنس کی طرح تجربات اور مشاہدات کے دوران مخصوص اوزان و پیائش کو زیرِ استعمال نہیں لایا جاتا مگر شاعری میں جذبات اوراحساسات کے ساتھ ساتھ جو خیالات پیش کیے جاتے ہیں وہ غلط بھی نہیں ہوتے بقول سی۔ڈےلیوس(C.Day-Lewis)

> "Poetry enlightens us in different way from science; it speaks directly to our feelings or imagination. The findings of poetry are no more and no less true than science." [16]

پروین شاکر کی نظموں اور غزلوں میں سائنسی خیالات فنی مہارت سے پیش کرنے کی عمدہ مثالیں موجود ہیں پروین شاکر نے اپنی شاعری میں کیمیائی،طبیعاتی،حیاتیاتی،ارضیاتی،فلکیاتی،نفسیاتی اور عمرانیاتی اصطلاحیں بڑی چابکدستی سے استعمال کی ہیں اور جدید سائنسی موضوعات کو شاعری میں اچھوتے انداز سے سمویا ہے۔بنظرِ عمیق جائزہ لینے سے محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے سائنسی عوامل کی تائید کرتے موضوعات اپنے پورے تنوع کے ساتھ موجود ہے۔اس طرح سائنسی شعور کا ادراک اور فہم پروین شاکر کی شاعری میں منفرد طرزِ نگارش لیے ہوئے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عرش صدیقی، ڈاکٹر، ''تکوین'' مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۷۷

۲۔ مسعود حسن رضوی ادیب، پروفیسر، ''ہماری شاعری معیار و مسائل'' نظامی پریس لکھنؤ، طبع ہشتم ۱۹۶۲ء، ص ۳۲

۳۔ احمد صدیق مجنوں، ایم اے ''تاریخ جمالیات'' انجمن ترقی اُردو علی گڑھ، بار دوم، جنوری ۱۹۵۹ء، ص ۸۱

۴۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، ''فن اور فنکار'' اردو مرکز، لاہور، س۔ن، ص ۸۱

۵۔ Paul Vleury ''فنِ شاعری'' (مضمون) مشمولہ 'مغربی شعریات' (مترجم) محمد ہادی حسین، مجلس ترقی ادب ،لاہور، طبع دوم جون ۲۰۰۵ء، ص ۳۸۳

۶۔ Douglas Bush ''سائنس اور شاعری'' (مضمون) مشمولہ 'مغربی شعریات' (مترجم) محمد ہادی حسین مجلسِ ترقی ادب، لاہور، طبع دوم جون ۲۰۰۵ء، ص ۲۸۱

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''اُردو ادب کی تحریکیں'' انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، اشاعت پنجم ۲۰۰۴ء، ص ۵۳۳

۸۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ''آج کا اُردو ادب'' رہبر پبلشرز، کراچی اشاعت سوم مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۱۶۴

۹۔ فریحہ غزل، ''پروین شاکر کی شاعری'' غیر مطبوعہ مقالہ ایم۔اے اردو (۸۹۔۱۹۸۷ء) بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان ص ۵۔۶

۱۰۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، ''ماہِ تمام۔۔۔ناتمام'' (مضمون) مشمولہ 'معاصر ۵' لاہور، ۱۹۹۶ء ص ۶۰

۱۱۔ پروین شاکر، ''ماہِ تمام (خوشبو)'' مراد پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۴۰

۱۲۔ نویدی، علیم صبا، ''پاکستان میں اردو شاعری'' ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنائی ۲، ۲۰۰۷ء ص ۹۴

۱۳۔ عابد صدیق، ''مغربی تنقید کا مطالعہ'' پورب اکادمی، اسلام آباد طبع اول مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۹۵

۱۴۔ نظیر صدیقی، ''پروین شاکر۔زخمِ جگر سے نقشِ ہنر تک کا ایک سفر'' (مضمون) مشمولہ 'فنون' لاہور، ش ۹ ،اگست ۱۹۷۸ء ص ۶۷

۱۵۔ قیصر تمکین، ''شعر و نظر'' فضلی سنز، کراچی، پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۷

16. Kemp,Peter;(edited),'Literary Quatations',Oxford University Press, Oxford,1999, p.221.